© rasailojaraid.com

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور مسلم جانبازانِ حریت

قسط ۲

ڈاکٹر، مختار احمد مکی ریڈر و صدر شعبۂ سیاسیات کریم سٹی کالج جمشید پور بہار

سپاہیوں کے علاوہ بڑی تعداد میں آس پاس کے دیہی عوام اور مجاہدین بھی مختلف علاقوں سے آکر اس میں جوق در جوق شامل ہوتے گئے اور بتدریج ان کی تعداد بڑھ کر صرف دہلی میں ستر اسی ہزار تک پہنچ گئی اس جنگ میں خواتین بھی کسی مرد سے پیچھے نہیں تھیں۔ بقول خواجہ حسن نظامی ایک سبز پوش عورت شہر کے لوگوں کو جہاد کے لئے آمادہ کرتی اور کہتی کہ چلو تمہیں خدا نے بہشت میں بلایا ہے شہر کے لوگ اس کی مجاہدانہ صدا سن کر ساتھ ہو جاتے وہ خود بھی ایک بہادر سپاہی کی طرح میدان میں لڑتی بھی تھی کبھی سوار کبھی پیادہ یا تلوار اور بندوق مہارت کے ساتھ چلاتی تھی اس کی ہمت و شجاعت دیکھ کر دوسروں کا حوصلہ بڑھتا (۵)۔ تحریک میں شامل مختلف لوگوں کے مقاصد الگ الگ تھے مثلاً راسخ العقیدہ مسلمان خلافت راشدہ کے نمونہ پر ایک اسلامی ریاست کا قیام چاہتے تھے تو فوجی اپنے مذہب کے دفاع اور اپنے لئے ترقی کے مواقع کے حصول کے خواہاں تھے حکمراں طبقہ اپنی کھوئی ہوئی حکومت کو حاصل کرنا چاہتا تھا تو زمیندار اپنی زمینداری کی بحالی کے لئے کوشاں تھے عوام الناس تبدیل مذہب اور اپنے دین اور دھرم کی بحالی کے لئے سرگرداں تھے۔ اور انہیں مغلیہ سلطنت کے دوبارہ قیام سے اپنا مقصد پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اس طرح تمام لوگوں کے مقاصد تو الگ الگ تھے لیکن ان سب کے عمومی دشمن انگریز تھے اور مقصد کے اس اتحاد نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پر آمادہ کیا تھا۔ ان کے ایک اعلان نامے میں عام شہریوں سے اپیل کی گئی تھی کہ "ہم وطنوں اور مذہب کے وفادار شیدائیوں اٹھو، اٹھو۔ تم سب ایک ساتھ اٹھو فرنگی کافروں کو نیست و نابود کرنے کے لئے جنھوں نے عدل و انصاف کے ہر اصول کو پاؤں تلے روند ڈالا جو ہمارے مذہب کے درپے ہے جس نے ہمارا راج چھین لیا ہمارے ملک کو خاک میں ملانے کا ارادہ کر لیا ہے صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ خوں ریز جنگ کی جائے۔ یہ آزادی کے لئے جہاد ہے یہ حق و انصاف کے لئے مذہبی جنگ ہے۔ (۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ازمی مجددی، سرسید احمد خاں، الیگزینڈر ڈف اور سرجان کے، رحمت علماء جیسے ... خیالات کی تائید ... انقلاب کے پس پشت مسلمانوں کی کوشش کو خاص دخل تھا ... انھوں نے ۵۷ء کے ہنگامے کے لیے وہابیوں کو ذمہ دار مانا ہے بقول ریکس باغی کا دوسرا نام مسلمان ہے معدودے چند کو چھوڑ کر مسلمانوں کی اکثریت اس جدوجہد میں شامل تھی علماء اور مذہبی طبقہ اس میں پیش پیش تھے۔ اور انھوں نے ہی اس کو بنیاد اور فلسفہ فراہم کیا۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا جس کے معنی تھے کہ مسلمانوں پر جہاد فرض ہے ورنہ کسی آزاد مسلم ملک کو وہ ہجرت کر جائیں اور کسی ناگزیر مجبوری کے باعث انگریزوں کے ماتحت رہنا پڑے تو حکومت کا تختہ پلٹنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہنا چاہیے انگریز غاصبوں کے ساتھ دوستی یا آشتی ممکن نہیں بلکہ یہ قطعی طور پر حرام ہے اسطرح جہاد جیسے مشترک مقصد کے لیے نہ صرف فتوی جاری کیے گئے اور عام عوام کو اس میں شرکت کی تلقین کی گئی بلکہ علماء نے اپنا سب کچھ اس میں جھونک دیا سید احمد شہید کی تحریک سے وابستہ علماء اور عوام اس میں نمایاں رہے کیونکہ ان لوگوں نے انگریزوں کے خلاف ایک باضابطہ فوجی مہم پچھلے پچاس سالوں سے جاری رکھی تھی اور ان کے خفیہ مراکز ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ کے قافلے ٹونک اجے پور، ہانسی، حصار، بھوپال، الہ آباد، گوڑگاؤں، نجیب آباد حیدرآباد اور نصیر آباد وغیرہ سے ہزاروں کی تعداد میں ۲۵ جون سے نئی دہلی میں جمع ہونے شروع ہو گئے وہ لوگ مفتی صدرالدین سے خاص عقیدت رکھتے تھے ان کے علاوہ مولانا مملوک علی حاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی مولانا سرفراز علی، مولانا فضل الحق خیرآبادی۔ مولانا لیاقت علی، مولانا پیر محمد (پٹنہ) وغیرہ گرچہ اس تحریک کے محرک تو نہیں تھے لیکن تحریک شروع ہونے کے بعد اس کو کامیاب بنانے کی کوشش میں نہ صرف لگ گئے بلکہ گوشہ نشینی اور تعلیم و تدریس کا مشغلہ چھوڑ کر مجاہدین کے ساتھ میدان میں شمشیر سنبھال لی دوسری جانب علماء صادقپور مولانا عنایت علی کی سرکردگی میں بحیثیت تنظیم گرچہ اس تحریک سے الگ رہے اور اسے ہر لوٹنگ غدر لود اور فساد سے زیادہ نہیں سمجھا اس کے باوجود سرحد پر انگریزوں کے خلاف اپنا محاذ باقی رکھا اور بقول ولیم ہینٹر ۱۸۵۰ء تا ۱۸۵۷ء سولہ فوجی مہمات بھیجنے کی ضرورت پڑی جس میں باقاعدہ فوجیوں کی تعداد ۶۰ ہزار تک پہونچ گئی بے قاعدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

...ج اور امدادی پولیس اس کے علاوہ تھی۔

۱۸۵۷ء کے واقعات کا ایک سرسری جائزہ اس تحریک سے وابستہ مسلمانوں کی حصہ داری کو واضح کرتا ہے

۲ر جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں اپنی منظم اور باضابطہ فوج جس میں ۱۴ ہزار کا لشکر چند توپ تین شہسواروں کی رجمنٹ اور چار لاکھ روپیہ تھا مزید یہ کہ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی دے رکھی تھی، لے کر دلی پہونچے اس وقت دہلی میں انتشار و افتراق اور بدنظمی کا دور دورہ تھا ہر جانب لوٹ کھسوٹ اور افراتفری مچی ہوئی تھی خود مغل شہزادوں نے بڑا ادھم مچار کھا تھا ان کی نااہلی اور فنون جنگ سے ناواقفیت نے انقلابی فوجیوں میں شدید قسم کا انتشار اور بدنظمی پیدا کر دی تھی۔ بادشاہ کو جب بخت خاں کی خوش اسلوبی، سلیقہ اور فوج کی تنظیم کا پتہ چلا تو اپنے حضور طلب کر کے فرزند بنا لیا اور کمانڈر انچیف بناتے ہوئے معز الدولہ جنرل اور لارڈ گورنر بہادر کا خطاب عطا کیا اور پورے شہر میں منادی کرا دی کہ جملہ افواج جو دہلی میں موجود ہیں انہیں سے جنگی احکامات حاصل کریں گے اس طرح وہ علماء اور بادشاہ کی پشت پناہی کے باعث دہلی میں اس تحریک کے قائد کی شکل میں ابھرے جنرل بخت خاں ایک روہیلہ نوجوان تھے اور انگریزی افواج میں بطور صوبہ دار بریلی میں کام کر چکے تھے۔ پہلی انگریز افغان جنگ میں جلال آباد میں بہادرانہ کارنامہ انجام دینے کے عوض توپ خانہ کا سب سے بڑا افسر مقرر کئے گئے تھے۔ روہیلکھنڈ میں آزادی کی اس تحریک کو منظم کرنے کے بعد دہلی کی جانب انہوں نے کوچ کیا جنرل بخت خاں میں انگریز مخالف رجحانات کی وجہ ان کے پیر مولوی سرفراز علی تھے۔ جو خفیہ طور پر بیعت جہاد لے رہے تھے انہیں کے یہاں غوث محمد خاں، مولوی امام خاں، عبدالغفار خاں وغیرہ نے جہاد کا فیصلہ کیا اور روہیلکھنڈ کا مناسب انتظام کرنے کے بعد ہی مرہٹہ سردار نانا راؤ کے بھائی بالا راؤ کے ساتھ دہلی کے لئے کوچ کیا اور وہاں ہندوستانی افواج کو منظم کیا مولانا فضل الحق اور دوسرے علماء سے مل کر جہاد کا فتویٰ حاصل کیا اس کے ساتھ ہی تمام سپاہیوں کے درمیان جن کی تعداد ستر تا اسی ہزار تھی ایک حلف نامہ بھی تقسیم کروایا جس میں عہد لیا گیا تھا کہ آخر دم تک لڑتے رہیں گے انگریزی افواج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ان کی کئی جھڑپیں ہوئیں لیکن اس میں جنرل بخت خاں کو ہی کامیابی ملتی رہی وہ فوج میں نئی اسپرٹ کے ترجمان تھے اور بقول ولیم فوربس" محاصرہ کے زمانہ میں باغیوں نے متعدد حملے کئے جو ان کی لیاقت کا بہترین ثبوت تھا ان حملوں کی تعداد ۳۶ تھی اور ہر حملہ نہایت ہی منظم اور با قاعدہ ہوتا تھا" (۸) ایک دوسرے مصنف چارلس بال کے مطابق "دشمنوں نے سڑک پر ایک ایک انچ زمین کے لیے لڑائی لڑی تھی اور بڑے استقلال کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہر مقام پر قبضہ کیا" (۹) خواجہ حسن نظامی کے الفاظ میں "بخت خاں ایک ایسا لائق افسر تھا کہ اگر اس کے کاموں میں مزاحمت نہ کی جاتی تو وہ آخری زمانہ کا سب سے بڑا فاتح ہوتا اور ہندوستان کا بچہ بچہ اس کے نام پر فخر کرتا اس کا حملہ نہایت دلیرانہ اور پوری باقاعدگی اور فوجی اصول کے ساتھ ہوتے تھے ...... قسمت نے بخت خاں کو ناکام رکھا ورنہ عجب نہیں تھا کہ وہ ہندوستان کا تاجدار بن جاتا اور انگریزوں کو ملک سے خارج کرنے کے بعد تیموریوں کی کمزور ہستی کو بھی درمیان سے دور کر دیتا اور دوسرا شیر شاہ ہندوستان کی تاریخ میں لکھا جاتا" (۱۰)

انگریزوں نے اس درمیان حسب روایات اپنا سازشی چکر جاری رکھا، زینت محل، مرزا مغل اور دوسرے شاہزادگان کو، حکیم احسن اللہ خاں، منشی رجب علی اور رائے بخشش کے ذریعہ اپنا ہمنوا بنایا یہ لوگ جنرل بخت کے کاموں میں روڑے اٹکانے لگے اس کی بھرپور مخالفت کی گئی۔ قلعہ کی ایک ایک خبر چمن لال اور بالمکند کے ذریعہ انگریزوں کو ملتی رہتی بارود کے کارخانہ میں باجرا رنگا جانے لگا۔ شمرو بیگم کی حویلی میں جہاں باغیوں کے اسلحہ کا سب سے بڑا گودام تھا اور تقریباً سات سو من بارود بھرا ہوا تھا آگ لگوادی گئی اور اس طرح سے تمام آلات حرب بیکار ہو گئے۔ جنرل بخت خاں کے خلاف مختلف سازشیں رچی جانے لگیں اس طرح فتح شکست میں تبدیل ہوتی چلی گئی اس کے باوجود ۱۹ ستمبر تک وہ دہلی میں انگریزوں کے یلغار روکنے میں کامیاب رہے لیکن دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوتے دیکھ کر وہ لکھنؤ کے لئے براہ بدایوں اور فرخ آباد اپنی بقیہ افواج کے ساتھ نکل گئے تاکہ اس جدوجہد کو دوسرے مراکز سے جاری رکھا جا سکے، دہلی چھوڑنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے قبل ہر ممکن الفاظ اور طریقہ سے بہادر شاہ ظفر کو اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کی کہ دہلی کی شکست جد وجہد کا خاتمہ نہیں ہے اور دوسرے مراکز سے یہ جنگ جاری رکھی جائے گی۔ لیکن بادشاہ نے دہلی کے قیام کو ہی بہتر جانا مولانا احمد شاہ صاحب کے ساتھ انہوں نے لکھنؤ اور شاہجہاں پور میں متعدد لڑائیاں لڑیں لیکن شاہ صاحب کی شہادت کے بعد وہ روپوش ہو گئے۔ شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی انگریز دوستی میں جنرل بخت کو کمبخت خاں کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اس دور کے مختلف یادداشتوں کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کمان ان کے ہاتھ میں آتے ہی انگریزوں کو دن میں تارے نظر آنے لگے انگریزی لشکر کے کمانڈر انچیف بار بار بدلے گئے اور ہر مرتبہ ناکام رہے کوئی اس غم میں مر گیا کوئی مستعفی ہوا اور کوئی واپس بلا لیا گیا۔ جواہر لال نہرو کے لفظوں میں اگر دہلی کی ساری جنگ کے تاج بہادر شاہ ظفر تھے اور ہاتھ پاؤں ہندو اور مسلمان تھے تو اس جنگ کا دماغ بخت خاں تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا خیال ہے کہ " بخت خاں روہیلوں کی ضرب المثل تنظیمی صلاحیتوں کا مظہر تھا اس میں مقصد کا خلوص بھی تھا اور عسکری تنظیم کا جذبہ بھی اگر مغل شاہزادے اس کے ساتھ تعاون کر جاتے یا آخر میں بہادر شاہ اس کے مشورہ پر عمل کر لیتا تو بہت سے واقعات کا رخ بدل جاتا۔ (۱۱)

آگرہ کے علماء برطانوی حکومت کے مخالف تھے اور عیسائیوں کے خلاف مناظرہ میں نمایاں طور پر حصہ لیتے بعدازاں ان لوگوں نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں بھی حصہ لیا ان میں ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی رحمت اللہ وغیرہ خاص تھے۔ ڈاکٹر وزیر خاں ولد محمد نذیر خاں کا تعلق بہار کے ایک زمیندار گھرانہ سے تھا۔ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہ لندن گئے اور وہیں اسسٹنٹ سرجن کے عہدہ پر مقرر ہوئے فاضل اوقات میں انہوں نے بائبل اور توریت کا گہرا مطالعہ کیا ہندوستان کی واپسی پر کلکتہ اسپتال میں بطور ڈاکٹر مقرر ہوئے وہاں سے آگرہ تبدیلی کر دیئے گئے اور تاج محل کے قریب محلہ کاغذان میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور ایک مجلس علماء قائم کی آگرہ ان دنوں مناظرانہ تاریخ میں نمایاں تھا جبکہ عیسائی پادری اسلامی تعلیمات کو چیلنج کر رہے تھے ایک پادری فنڈر نے علماء اسلام کو چیلنج کیا اور ڈاکٹر وزیر خاں مولوی رحمت اللہ کیرانوی وغیرہ نے اسے قبول کیا۔ ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو یہ مناظرہ آگرہ میں ہوا اور فنڈر کو شکست ہوئی اور اس نے ولایت کی راہ لی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں باشندگانِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگرہ بھی شریک تھے۔ ان لوگوں نے مولانا رحمت اللہ کو اپنا سربراہ مقرر کیا گوجر لیڈر چودھری عظیم الدین اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ برطانوی افواج کے ساتھ چار ماہ تک برسرپیکار رہے شکست کے بعد وزیر خاں اور مولوی فیض خاں دہلی چلے گئے اور سقوط دہلی کے بعد وہ جنرل بخت خاں کے ساتھ ہی لکھنؤ پہونچے اور وہاں سے حجاز کے لیئے روانہ ہو گئے۔

انگریزوں کے خلاف ایک بڑا محاذ اودھ کا تھا۔ جہاں ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء سے اس تحریک نے زور پکڑا اس کے روح رواں واجد علی شاہ کی ایک بیگم حضرت محل تھیں میرٹھ کے حادثہ کے بعد ہی لکھنؤ میں حضرت محل نے اپنی مزاحمتی تحریک کا آغاز کیا اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ سیاسی طور پر بیدار شیعہ حکومت نے سنیوں کے ساتھ مل کر حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد چھیڑ رکھا تھا۔ ۲ جولائی کو مجاہدین نے ریزیڈنسی کا گھراؤ کیا اور ریزیڈنٹ ہنری لارنس کو قتل کر دیا اپنے بیٹے برجس ورد کو اودھ کا حکمراں بننے کا اعلان کرنے کے بعد خود ان کی ولی عہد اور سرپرست مقرر ہوئیں اور ۱۶ مارچ ۱۸۵۸ء تک لکھنؤ کو انگریزوں کے دوبارہ تسلط سے بچائے رکھا لکھنؤ میں مختلف مقامات پر یہ اعلان چسپاں تھے۔

" ہندوؤ۔ مسلمانو! متحد ہو کر اٹھو اور ایک ہی بار میں ملک کی قسمت کا فیصلہ کر دو کیونکہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکال دیا گیا تو تم لوگوں کے لیئے اپنی جانیں بچانے کا موقعہ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ آخری موقعہ ہے آج یا کبھی نہیں "۔ (۱۲)

حضرت محل ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور پردہ میں رہتے ہوئے عنان حکومت پوری ذمہ داری کے ساتھ سنبھالے ہوئے تھیں اور ضرورت پڑنے پر خود بھی میدان جنگ میں ہاتھی یا گھوڑے پر سوار لڑنے والوں کی براہ راست ہمت افزائی اور مدد کے لیے پہونچ جاتیں۔ ہڈسن جس نے دہلی میں دھوکہ سے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا مغل کو قتل کیا تھا سقوط دہلی کے بعد اپنی بہادری دکھلانے کے لیئے لکھنؤ پہونچا تو گرفتار کر لیا گیا اور بیگم حضرت محل نے اس کے لیئے بغیر کسی چوں و چرا کے سزائے موت تجویز کی۔ خود ان کی مدد اور مشورہ کے لیئے ممن خاں، مولوی احمد اللہ شاہ، شاہزادہ فیروز شاہ محمد علی عرف جیمی گرین، مولانا فضل الحق خیر آبادی جیسے افراد موجود تھے۔ شاہ گنج کے تعلقہ دار راجہ مان سنگھ بھی اپنی ۹ ہزار افواج کے ساتھ حضرت محل کی مدد کے لیئے پہونچ گئے تھے ۱۴ مئی ۱۸۵۸ء کو جب حضرت محل کو سقوط لکھنؤ کا احساس ہوا تو شہادت کی تمنا میں جنگ جاری رکھی۔ پانچ ہزار سے زائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجاہدین نے اپنی جانیں بھی انگریزوں سے لڑتے ہوئے دے دیں لیکن مولانا احمد اللہ شاہ نے ان کو اور برجیس قدر کو زبردستی وہاں سے نکالا اور انھیں بریلی کی جانب روانہ کیا (۱۳) وہاں سے وہ مولانا احمد اللہ شاہ کی مدد کے لئے شاہجہانپور پہونچ گئیں لیکن وہاں بھی ناکامی کی صورت میں نیپال کے نیاکوٹ چلی گئیں۔ جہاں نیپال کے راجہ رانا جنگ بہادر نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ ان کی وفات (۱۸۷۴ء) تک اپنا مہمان بنائے رکھا اور کٹھمنڈو چوک کی ہندوستانی م[illegible]ر کے پاس مدفون ہوئیں ایک انگریز مصنف رسل کو اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت محل جنگ جاری رکھنے [illegible] نائب تھیں جبکہ ایک دوسرے مصنف ہامس کا خیال ہے کہ وہ اپنی صلاحیت اور حکمت عملی میں جھانسی [illegible] (۱۴)

احمد اللہ شاہ مدراسی ولد محمد علی (۱۸[illegible]ء تا ۱۸۵۸ء) اس سر[illegible] ہند کے دوران اودھ کے عظیم مجاہد تھے۔ تحریک کے آخری دور میں تو وہ اس تحریک کے روح رواں بن گئے جس کا اعتراف انگریزوں کو بھی تھا۔ ان کا تعلق دکن کے قطب شاہی خاندان سے تھا اور میرٹھ کی بغاوت کے دوران وہ فیض آباد میں تھے اور اس تحریک سے وابستہ ہوئے ابتدائی تعلیم انھوں نے مدراس میں پائی سیاحت کے شوق میں وہ حیدرآباد گئے اور وہیں سے یورپ کے سفر پر نکل گئے لندن پہونچ کر ملکہ وکٹوریہ کے مہمان بنے واپسی میں عرب ممالک کے دورہ کے بعد حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد ہندوستان واپس لوٹے اور جے پور کے حضرت قربان علی سے بیعت ہوئے وہاں سے ٹونک ہوتے ہوئے گوالیار پہونچے اور صوفی بزرگ محراب شاہ قلندر سے ملاقات ہوئی پہلی ہی ملاقات میں ان کے گرویدہ ہوگئے اور ان سے جہاد کا عہد لیا اور دہلی کے لئے روانہ ہوگئے وہاں سے لکھنؤ ہوتے ہوئے فیض آباد پہونچے جب ہنگامہ شروع ہوا تو حضرت محل کے ساتھ مزاحمتی تحریک میں شامل ہوگئے اور ان کے رفقائے خاص بن گئے۔ ممنون خاں سے اختلاف ہونے کے باعث شاہجہاں پور چلے گئے اور میدان کارزار میں نمایاں حصہ لیا لیکن ناکامی ہاتھ آئی وہاں راجہ پوائیں (بندیل کھنڈ اور اودھ کے سرحد پر واقع ایک چھوٹی سی ریاست) سے تعاون کے لئے ملنے پر آمادہ ہوئے۔ لیکن راجہ نے پچاس ہزار روپیہ نقد اور خلعت فاخرہ (جو ان کے سر کی قیمت سرکار برطانیہ کی جانب سے مقرر تھی) کے عوض غداری کی اور انہیں بلاکر شہید کردیا اور ان کے سر کو شاہجہانپور کے کلکٹر کے حوالہ کردیا۔ جو عرصہ تک کوتوالی پر لٹکا رہا۔ کرنل سر تھامس سٹین (Seaton) جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں نہ صرف بذات خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریک تھا بلکہ کئی بار اس کا مقابلہ بھی ان سے ہو چکا تھا۔ رقمطراز ہے کہ "مولوی احمد اللہ شاہ بڑی لیاقت اور غیر معمولی قابلیت کے انسان تھے ان کی ہمت اور جواں مردی اکثر ان کے مخالفین کے لئے سخت حوصلہ شکن ثابت ہوئی تھی۔ وہ ایسے شجاع تھے کہ خوف ان کے نزدیک نہیں پہونچتا وہ نہایت تجربہ کار اپنی دھن کے پکے اور عزم و ارادہ کے حامل تھے اور باغیوں میں ان سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا ان کی سپاہیانہ شان ممتاز ترین خصوصیت کی حامل تھیں اور یہ فخر انہیں کو حاصل ہے کہ انہوں نے دو مرتبہ کالن کیمبل (برطانوی افواج کے کمانڈر انچیف) کو میدان جنگ میں ناکام رکھا اور اس کے زبردست فوجی منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔ (۱۵)

ایک دوسرے انگریز افسر کرنل میلکس کا اعتراف ہے کہ اگر وطن پرستی یا محب وطن کی یہی تعریف ہے کہ وہ آزادئ وطن کے لئے جنگ لڑے اور اپنی کھوئی ہوئی نعمت کو اپنے ابنائے وطن کے لئے پھر سے حاصل کرے جو زبردستی، دھوکہ دہی یا فریب سے اس کے اہل وطن سے چھین لیا گیا ہے تو وہ ایک سچے وطن پرست تھے ... ان کی سرفروشی، جاد کوشی اور وطن پرستی کی یاد یقینی طور پر ہر ملک و ملت کے بہادروں اور صداقت پرستوں کے دل میں جگہ پانے کی مستحق ہے۔

ایک دوسرے مورخ ماسٹر کا کہنا ہے کہ" وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھے روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی اور سپہ سالار تھے ان کا مزاج ظلم سے پاک تھا اور ہر انگریز انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا" (۱۷) بقول پنڈت سندر لال دنیا میں آزادی کے شہیدوں میں احمد اللہ شاہ کا نام ہمیشہ کے لئے قابل احترام رہے گا۔ (۱۸)

آر سی۔ مجدار بھی اس کے معترف ہیں کہ احمد اللہ شاہ ان چند لوگوں میں تھے جو کہ انتہائی خلوص کے ساتھ مزاحمتی تحریک سے وابستہ رہے۔ ہامس کے لفظوں میں" مولوی گرچہ حیدر علی اور شیواجی کے مد مقابل تو نہ تھے لیکن ہمارے خلاف لڑنے والوں میں سب سے مستعد تھے۔ (۱۹)

برطانوی حکومت کے خلاف لڑنے والوں میں ایک نمایاں نام عظیم اللہ خاں کا بھی دکھائی دیتا ہے جو کہ مغربی تعلیم سے پوری طرح بہرہ مند تھے اور مراٹھا سردار نانا صاحب کے مشیر خاص کی حیثیت سے کان پور میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ ابتداً وہ کانپور کے ایک اسکول میں بطور معلم بحال ہوئے اور سرکار برطانیہ کے تحت مختلف عہدوں پر بھی کام کیا انگریزی اور فرانسیسی زبان میں بھرپور لیاقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کی۔ نانا صاحب عظیم اللہ خاں کی لیاقت سے بہت متأثر تھے لارڈ ہسٹنگز نے جب دیسی ریاستوں کو ضبط کرنا شروع کیا تو نانا راؤ شیوا کی پنشن بھی ضبط ہو گئی نانا راؤ نے اپنے بھائی کے ساتھ ۱۸۵۳ء میں عظیم اللہ کو وفد کا قائد بنا کر مرافعہ کے لئے برطانیہ بھیجا انہوں نے پوری ایمانداری خوش اسلوبی اور سلیقہ کے ساتھ اپنا کیس پیش کیا اپنی شخصیت اور صلاحیت سے انہوں نے تمام ذمہ داروں کو اپنا گرویدہ بھی بنایا اس کے باوجود کمپنی کے ڈائرکٹروں نے ان کی باتیں نہیں مانیں اس ناکامی نے ان پر بہت اثر ڈالا یورپ کے سفر کے دوران فرانس کے ایک ہوٹل میں روس کے انقلابیوں سے ان کی ملاقات ہوئی جس نے انہیں انگریز مخالفت میں مزید انقلابی بنا دیا قسطنطنیہ ہوتے ہوئے ۱۸۵۵ء میں ہندوستان ان کی واپسی ہوئی انہوں نے جنگ کریمیا کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا اور ایک روسی افسر نے ہندوستان میں بدامنی کی صورت میں ہندوستانیوں کی مدد کا وعدہ کیا اس طرح انھوں نے بین الاقوامی طور سے انگریز مخالف قوتوں سے مدد اور حمایت کا وعدہ حاصل کرنے کے بعد ہندوستان سیاست میں دلچسپی لینی شروع کی ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے اندرون ملک بھی انگریز مخالف قوموں کو جمع کرنا شروع کیا تاکہ ان کے درمیان ایک ربط قائم کیا جا سکے بیرون ملک روس اور مصر جیسے دور دراز علاقوں سے بھی خط کے ذریعہ ان کا رابطہ تھا۔ بقول لارڈ رابرٹسن ان کے تعلقات قسطنطنیہ کے عمر پاشا اور فرانسیسی حکومت سے بھی تھے۔ عظیم اللہ خاں نے نانا صاحب کو اس انقلاب میں شرکت کے لئے آمادہ کیا ان دونوں نے مرہٹہ سردار تانیتا توپے کو بھی اس تحریک میں شامل کر لیا۔ جنہوں نے جوگیوں کا بھیس بدل کر ہندوستانی فوجیوں میں انگریز مخالف آگ بھڑکائی۔ شاہ فیض بھی فوجیوں میں گشت کرتے اور انگریزوں کی مخالفت کے لئے لوگوں میں روٹیاں اور نیلوفر تقسیم کرتے۔ (۲۰)

۴ رجون ۱۸۵۷ء کو کانپور میں مزاحمتی تحریک شروع ہوئی نانا صاحب کو اس دوران دہلی آنے کی دعوت دی گئی تو عظیم اللہ خاں نے اس کی مخالفت کی کہ کانپور میں پہلے اپنی گرفت مضبوط کر لی جائے ۲۱ رجون تک دونوں ہی انگریزوں کے خلاف لڑتے رہے لیکن کانپور کے کچھ یورپین کے قتل عام کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ عظیم اللہ خاں کانپور چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے۔ اور وہاں احمد اللہ شاہ سے مل گئے۔ ۱۶ رجولائی کو جنرل ہیولاک نے نانا صاحب کو شکست دے کر کانپور پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے شہریوں سے انتہائی بے رحمی اور سفاکی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریزوں کا انتقام لیا۔ نانا صاحب کانپور چھوڑ کر جب لکھنؤ پہونچے تو ان دونوں کے تعلقات ایک بار پھر معمول پر آگئے نانا صاحب کے ساتھ عظیم اللہ خاں کے تعلقات ہندو مسلم اتحاد کی ایک روشن مثال خیال کی جاتی ہے ساور کر ان کی صاف گوئی بے باکی اور مقصد کے لئے نیک نیتی سے بے انتہا متاثر ہے نانا صاحب کو اپنی اس جنگ میں کانپور کے تمام مسلمانوں کی حمایت بھی حاصل تھی شمس الدین کا گھر تمام خفیہ سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ جہاں تمام لوگ بیٹھ کر اہم فیصلہ کرتے وحید الزماں ہمیر پور کے ڈپٹی کلکٹر تھے انگریزوں کی نوکری چھوڑ کر نانا صاحب سے مل گئے اور ان کے ناظم مقرر ہوئے۔

روہیلکھنڈ کے علاقہ میں حافظ رحمت اللہ خاں کے پوتے خان بہادر خان بہت ہردلعزیز تھے وہ ریٹائرڈ چیف جسٹس بھی تھے۔ حسب پروگرام ۳۱ رمئی کو جب مزاحمتی تحریک اس علاقہ میں شروع ہوئی تو چند گھنٹوں میں شاہجہانپور بدایوں اور مرادآباد وغیرہ سے برطانوی تسلط بقول ساورکر "سودیشی خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ختم ہوگیا" اس وقت جنرل بخت خاں بریلی میں تھے انہوں نے خان بہادر سے تحریک کی قیادت کی درخواست کی جسے انہوں نے قبول کر لیا اور روہیلکھنڈ کے نواب کا لقب اختیار کیا بہادر شاہ ظفر نے ۱۲ رجون کو انہیں اپنا نائب مقرر کیا اور خلعت سرفرازی و خطاب نواب انتظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر خاں تنویر جنگ رئیس اعظم روہیلکھنڈ عطا کیا۔ مرادآباد، بدایوں، بجنور اور شاہجہانپور میں ان کی حکومت تسلیم کر لی گئی نواب مجو خاں مرادآباد میں نواب غلام قادر خاں شاہجہانپور میں نواب محمود علی خاں بجنور میں اور عبدالرحمن خاں بدایوں میں نائب کے فرائض انجام دینے لگے شوبھا رام کو جنگی کا دنسل کا دیوان مقرر کیا گیا رگھوناتھ سنگھ کو راجہ کا خطاب دے کر پرگنہ فرید پور کا انچارج بنایا گیا۔ تقریباً ایک سال تک بلاشرکت غیرے یہ لوگ اپنے اپنے علاقہ کے حکمراں رہے اور روہیلکھنڈ کا علاقہ دارالامن بنا رہا دہلی اور لکھنؤ میں انگریزی افواج کی فتح کے بعد یہ علاقہ بھی ان کے ہاتھ سے نکلنے لگا تو گوریلا جنگ جاری رکھتے ہوئے وہ لوگ نیپال کی ترائی کی جانب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکل گئے لیکن ایک معرکہ پر وہ گرفتار کر لئے گئے اور ۱۸۶۰ء میں انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی۔

الہ آباد میں بغاوت کی خبر ملتے ہی قلعہ میں مقیم ہندوستانی افواج نے برطانوی افسروں کو قتل کر دیا اور گولہ بارود اور فوجی گودام پر قبضہ کر لیا انہوں نے خفیہ تنظیمیں قائم کرنے میں خاصی دلچسپی دکھائی مولوی لیاقت علی اور رام چندر مزاحمتی تحریک کے روح رواں تھے لیاقت علی وہاں کے وائسرائے مقرر ہوئے اور انہوں نے خسرو باغ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر مزاحمتی تحریک کی ابتدا کی۔ فتح گڑھ کے باغیوں نے نواب تفضل حسین خاں کو اپنا لیڈر مقرر کیا جو کہ محمد خاں بنگش بانی فرخ آباد کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

نواب علی بہادر نے باندا کے باغی سپاہیوں سے یورپین عورتوں اور بچوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہے۔ لیکن جب مارچ ۱۸۵۸ء میں برطانوی افواج مزاحمتی تحریک کو کچلتے ہوئے باندا پہونچیں تو نواب صاحب کالپی کی جانب جھانسی کی رانی اور تانتیا توپے وغیرہ کی مدد کے لئے نکل گئے اور وہاں سے گوالیار پہونچے سید گلزار علی نے امروہہ میں مزاحمتی تحریک کو جاری رکھا جبکہ نواب ولی داؤد خاں نے بلند شہر میں عنایت علی نے کاکوری میں لال بہادر خاں نے فتح پور میں اور دولہ شاہ میوات میں تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔

جھانسی کی رانی کے ساتھ مسلم لیڈر اور عوام کا رشتہ کافی خوشگوار تھا ان لوگوں نے اپنے جان و مال کی قربانی سے ۷ رجون ۵۷ء کو رانی کا ساتھ دیا رسالدار کالے خاں اور تحصیلدار محمد حسین اس جنگ میں نمایاں رہے اور انہیں کی کوشش کے نتیجہ میں انگریز اپنا ہتھیار رکھنے پر آمادہ ہوئے تاکہ ان کے لئے قلعہ کا دروازہ کھولا جاسکے۔

وارث محمد خاں، عادل محمد خاں اور سرفراز خاں وغیرہ نے بھوپال میں انقلاب برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن ملکہ سکندر بیگم کی شخصیت کے سامنے ان لوگوں کی ایک نہ چلی اور اس طرح وہاں کوئی کھلی بغاوت کامیاب نہ ہوسکی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہار میں اس تحریک کا رہنرسل کچھ پہلے ہی ہوگیا تھا۔ پٹنہ مجسٹریٹ کے ایک خط کے مطابق شاہ آباد کے بابوکنور سنگھ نے ۱۸۴۵ء میں پٹنہ کے منشی راحت علی سے ملاقات کی اور شیخ پیر بخش کے ذریعہ ریجمینٹ اول میں بغاوت کی سازش رچی گئی لیکن قبل از وقت راز فاش ہو جانے کے باعث بڑے پیمانہ پر پٹنہ میں گرفتاری ہوئی مولوی نیاز علی (محکمہ قانون) برکت اللہ (سرکاری وکیل) اور داروغہ میر باقی کو نوکری سے نکال دیا گیا بقیہ لوگ کچھ سزا کے بعد رہا کر دیئے گئے انہیں لوگوں میں علی کریم اور حسن علی خاں وغیرہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں پیش پیش تھے پیر علی کا پہولی دکتب فروش نے اس تحریک میں پٹنہ میں نمایاں حصہ لیا اور ۳ رجولائی ۱۸۵۷ء کو ذوالفقور رضا کاروں کے ساتھ جو سبز علم اٹھائے ہوئے تھے انگریزوں کے خلاف مورچہ لینے لگے ان کے مکان پر چھاپہ پڑا اور ان کے ۲۷ ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ ۱۶ مجاہدین کو تین گھنٹے کے اندر پھانسی دے دی گئی (۲۱) باقی لوگوں کے لئے مختلف قسم کی سزائیں تجویز ہوئیں ۱۲ رجون ۱۸۵۷ء کو سنتھال پرگنہ کے روہنی گاؤں کے ۳۲ ویں ریجمینٹ میں بغاوت کی آگ بھڑکی اور ان لوگوں نے دو انگریز کو قتل کر دیا لیکن اس بغاوت کو سختی سے دبا دیا گیا اور تین مسلم باغی امام علی امانت علی اور شیخو کو ۱۶ رجون کو پھانسی کی سزا دی گئی اور ریجمینٹ کو بھاگلپور بھیج دیا گیا اگست میں اس ریجمینٹ نے دوبارہ بغاوت کردی اور گیا پہونچکر چار سو قیدیوں کو چھڑا لیا فرینڈس اوف انڈیا اور (Englishman) انگلش مین (کلکتہ) کی ۱۷ اور ۲۲ رجولائی ۱۸۵۷ء کی ایک رپورٹ کے مطابق بھاگلپور نے جگاؤں کے وکیل منشی ذکی الدین احمد نے علی حسین خاں ناظر فوجداری پٹنہ اور مونگیر کے تاجر حاجی احمد حسن کے ساتھ مل کر ایک سازش کی تھی منصوبہ کے تحت بھاگلپور اور مونگیر میں ۱۴۰۰ مسلح جوانوں کے ساتھ ۲ راگست ۱۸۵۷ء کو بقرعید کی نماز کے بعد تمام یوروپین کو قتل کر دیا جائے یہ کام بیک وقت ریاست گیر پیمانہ پر اور پوری شدت کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ سازش مکمل تھی صرف مختلف جگہوں سے رابطہ قائم کئے جارہے تھے کہ حکومت کو اس کی بھنک ۶ رجولائی کو مل گئی تمام لوگ گرفتار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرلیے گئے لیکن یہ گرفتاریاں پرامن نہیں تھی ۴ر اگست کو ایک برطانوی افسر ڈان نرتی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پانچویں ارریگولر (Irregular) دستہ اور ۲۲ ویں دیسی پیدل دستہ نے بغاوت کردی برطانوی سپاہیوں پر مشتمل پانچویں Fusilier نے بڑی مشکل سے اس پر کنٹرول پایا۔ پٹنہ کے کمشنر (Davison) نے ایک مقامی پولس فورس بنانے کا فیصلہ کیا جس میں کسی بھی اونچی ذات مثلاً برہمن، راجپوت اور مسلمانوں کی شرکت پر پابندی عائد تھی اور نچلی ذات کے لوگ اس میں شریک تھے وہابی تحریک سے وابستہ لوگوں پر کڑی نظر رکھی جانے لگی گرچہ علماء صادقپور اس تحریک کے مخالف تھے مولوی محمد حسین، احمد اللہ اور وزیر الحق کو شہر کے دوسرے معززین کے ساتھ پٹنہ کے کمشنر ٹیلر (Taylor) نے کچھ مشورہ کے لئے بلایا اور انہیں وہیں گرفتار کر لیا گیا ۲۴ گھنٹہ کے اندر پٹنہ کے تمام شہریوں کے ہتھیار ضبط کرلئے گئے اور رات میں ان کے باہر نکلنے پر پابندی عائد کردی گئی علی کریم کی گرفتاری کے لئے جگہ جگہ چھاپے پڑنے لگے انکی اور ان کے رشتہ داروں کی تمام دولتیں ضبط کرلی گئیں مکانات گرا دیئے گئے اور انکے سر کی قیمت پانچ ہزار مقرر کی گئی ۶ر جولائی کو پولس جمعدار وارث علی ترہت میں گرفتار ہوئے اور ۲۳ر جولائی کو انہیں پھانسی دے دی گئی بڑی تعداد میں مظفر پور وغیرہ میں بھی گرفتاریاں عمل میں آئی۔ بابو کنور سنگھ نے اپنی عمر کے ۷۵ ویں سال میں آزادی وطن کے لئے جو تحریک شروع کر رکھی تھی اس میں شیخ غلام یحیٰ، شیخ محمد عظیم الدین، تراب علی اور خادم علی وغیرہ کا نام بھی نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ نوادہ جہاں آباد اور راجگیر وغیرہ میں تحریک کی قیادت حیدر علی، احمد علی، مہدی علی خاں، حسین بخشی اور غلام علی وغیرہ کر رہے تھے اور ان کے سروں کی قیمت انگریز حکومت کی جانب سے پانچ پانچ سو روپیہ مقرر تھی (۲۲) گیا میں اس بغاوت کی قیادت کی ذمہ داری علی خاں کے ذمہ تھی جبکہ چھپرہ میں اس مورچہ کو محمد حسین خاں سنبھالے ہوئے تھے۔ جنوبی بہار میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹلکنیت امراؤ سنگھ کے ساتھ ان کے دیوان شیخ بھکاری حکومت برطانیہ کی فوج سے لڑتے ہوئے ۶، جنوری ۱۸۵۸ء کو مقامی لوگوں کی غداری کے باعث گرفتار ہوئے اور انہیں تیسرے دن یعنی ۸، جنوری ۱۸۵۸ء کو چٹو پالو گھاٹی میں ایک بڑے درخت سے لٹکا کر بغیر کوئی مقدمہ چلائے پھانسی دے دی گئی۔ جنرل میکڈ ر ایلڈ نے پھانسی سے قبل کہا کہ شیخ بھکاری چھوٹا ناگپور کے باغیوں میں سب سے زیادہ خطرناک ہے اس کی زندگی انگریز حکمرانوں کے لئے موت کا باعث ہے اس وجہ سے آج ہی اسی جگہ اسے پھانسی دے دینی چاہیئے۔ (۲۳)

شاہزادہ فیروز شاہ کا نام خانوادہ بابر کے سیکڑوں نوجوانوں میں تن تنہا دکھائی دیتا ہے۔ جس نے اس جہاد حریت میں نمایاں حصہ لیا وہ صاحب عالم مرزا ناظم بخت خلف شاہ عالم ثانی کے صاحبزادے تھے اپنے والد کے زیر نگرانی علوم مروجہ اور فوجی تربیت مکمل کی مذہبی فطرت کے باعث حج کے لئے گئے جولائی ۱۸۵۷ء میں واپسی ہوئی اس دوران ہندوستان کروٹ بدل رہا تھا اور جنگ آزادی کے شعلے بھڑک رہے تھے وہ بے خوف وخطر اس شعلہ میں کود پڑے اور مالوہ کو اپنا میدان کارزار بنایا ہندو اور مسلمانوں کو متحد ہو کر انگریزوں کو باہر نکالنے کی اپیل کی۔ مندیشور کے فوجیوں نے عام لوگوں کے ساتھ مل کر گوالیار کی حکومت ختم کر دی اور شاہزادہ کی حکمرانی کا اعلان کر دیا وہاں کے میواتی، مکرانی اور افغانی شاہزادہ کے ساتھ مل گئے۔ دہلی چلو کے نعرہ کے ساتھ ہی شاہزادہ گوالیار سے دہلی کی جانب چلے راستہ میں سقوط دہلی کی خبر ملی اس وقت ان کے ساتھ ۱۵ ہزار افواج تھے وہاں سے آگرہ کا رخ کیا انگریز افواج سے کالی ندی پر مقابلہ ہوا اور انگریز افواج کی شکست ہوئی۔ شاہزادہ نے وہاں سے میوات کا رخ کیا۔ دہلی کے بقیۃ السیف مجاہدین شاہزادہ کی فوج میں شامل ہوتے گئے ۲۶ ستمبر کو یہ لوگ متھرا پہونچے وہاں ان کے ساتھ ۷۲ ویں دیسی پیادہ فوج کے بہت سے افراد شامل ہو گئے جن کا صوبیدار ہیرا سنگھ تھا اس طرح وسط ہند کے لوگ بھی ان کے ساتھ تھے اس جمعیت کے ساتھ فرخ آباد شاہجہانپور ہوتے ہوئے یہ لوگ لکھنؤ پہونچے اور لکھنؤ کی جنگ میں شامل ہو گئے اپریل ۱۸۵۸ء میں مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمد اللہ شاہ کے پاس شاہجہاں پور پہونچے وہاں سے لڑتے بھڑتے ہوئے جنوری ۱۸۵۹ء میں اندر گڑھ میں تانتیا توپے سے ملے اپریل ۱۸۵۹ء میں وہ سرونج کے جنگل میں تھے بعد ازاں یہ خبر آئی کہ ایران ہوتے ہوئے روس پہونچ گئے اور وہاں سے حجاز کے لئے روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کر لی اور ۱۸۹۸ء میں وہیں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حیدرآباد میں مولوی علاء الدین اور طرہ باز خاں نے میرٹھ کی بغاوت کے بعد انگریزوں کے خلاف مزاحمتی تحریک کی داغ بیل ڈالی گرچہ نظام حیدرآباد شدت سے اس تحریک کے مخالف تھے حیدرآباد کے مسلمان بڑی تعداد میں مکہ مسجد میں جمع ہوئے اور ۱۶ رجولائی ۱۸۵۷ء کو باضابطہ تحریک کے آغاز کا پروگرام مرتب کیا۔ ریزیڈنسی پر حملہ کیا گیا لیکن اس میں کامیابی نہیں ملی اور یہ تمام مجاہد شہید کر دیئے گئے۔ سکندر خاں اور نصیر الدولہ کی بے وقت موت نے اس تحریک کو اتنا نقصان پہونچایا کہ یہ پھر دوبارہ پنپ نہیں سکی مولوی علاء الدین کو جلاوطن کر کے انڈومان بھیج دیا گیا۔

گرچہ اس تحریک کی ابتدار بہرام پور اور بیرک پور کی فوجی چھاؤنی سے ہوئی تھی لیکن ابتدا ہی میں اسے سختی سے دبا دیا گیا مذہبی تحریک کی لو بھی ٹھنڈی پڑتی جا رہی تھی اس کے باوجود انگریزوں سے نفرت کی آگ لوگوں کے دلوں میں موجود تھی محرم کے موقعہ پر حکومت کی جانب سے خاص چوکسی برتی جانے لگی فرہد پور میں یہ بے چینی کچھ زیادہ ہی تھی اور ان کے درمیان فرنگیوں سے جلدی نجات پانے کی پیشینگوئی عام اور خاص لوگوں کی زبان پر تھی۔

(باقی آئندہ)

حواشی

(۵) خواجہ حسن نظامی، بیگمات کے آنسو (دہلی ۱۸۹۶ء) ص ۱۲۶

(۶) خورشید مصطفی رضوی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۱۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷) ولیم ہنٹر، دی انڈین مسلمانس (دہلی ۱۹۶۹ء) صہ ۲۰۱

(۸) ولیم نورس۔

(۹) چارلس بانی۔ ہسٹری آف انڈین میوٹنس (دہلی ۱۹۰۱ء) صہ ۲۰۵

(۱۰) خواجہ حسن نظامی، غدر کی صبح و شام (دہلی ۱۹۲۶ء) صہ ۷

(۱۱) خلیق احمد نظامی، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ (دہلی ۱۹۷ء) صہ ۲۹

(۱۲) خورشید مصطفٰی رضوی　　ایضاً　　صہ ۱۲۴

(۱۳) پرنس انجم قدر، بیگم حضرت محل پارک آزاد ہند کلکتہ ۱۵ اگست ۱۹۹۶ء صہ ۳

(۱۴) ہامس، ہسٹری آف انڈین میوٹنی (لندن ۱۸۸۸ء) صہ ۱۰۲

(۱۵) کرنل سر ٹامس سٹین، انڈین میوٹنی ۱۸۵۷ء (لندن ۱۸۹ء) صہ ۳۶

(۱۶) کرنل میلس ہسٹری آف انڈین میوٹنی اینڈ ایسٹ انڈیا کمپنی (دہلی ۱۸۸ء) صہ ۳۵

انتظام اللہ شہابی۔ باغی علماء (دہلی ۱۹۶۸ء) صہ ۴۹

(۱۷) ڈبلو فاسٹر، ہسٹری آف انڈین میوٹنی (لندن ۱۸۸۹ء) صہ ۱۴۶

(۱۸) غلام رسول مہر، ۱۸۵۷ء کے مجاہدین (لاہور ۱۹۶۰ء) صہ ۲۰۸

(۱۹) ہامس،　　ایضاً　　صہ ۱۴۰

(۲۰) انتظام اللہ شہابی، تاریخ ملت جلد یازدہم (دہلی ۱۹۷۱ء) صہ ۲۸۶

(۲۱) علی محمد شاد　　نقش پائیدار (پٹنہ ۱۸۹۶ء) صہ ۴۶

(۲۲) کے۔ کے۔ دت۔ ہسٹری آف فریڈم مومنٹ اِن بہار (پٹنہ ۱۹۷۱ء) صہ ا تا ۸

(۲۳) احمد سجاد۔ شیخ بھکاری کے نام کا استحصال کب تک فاروقی تنظیم رانچی ۱۹ اگست ۱۹۹۵ء صہ ۳

© rasailojaraid.com